

## مصائب، بیماریاں اور اللہ کی یاد!

### ڈاکٹر طاہر مسعود

بیماریاں اور مصیبتیں زندگی کے ساتھ ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ انسان دُنیا میں آئے اور ساری زندگی عیش و آرام میں گزارے، اور اسے کسی بیماری اور کسی مصیبت سے واسطہ اور سابقہ نہ پڑے۔ یہ سمجھنا کہ ہر بیماری کسی نہ کسی گناہ کی سزا ہوتی ہے، کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس کے برعکس ان ہی لوگوں کو اللہ رب العزت کسی نہ کسی بیماری اور مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں جو اپنے دل میں اپنے خالق و مالک کی سچی محبت رکھتے ہیں اور جو نمازوں اور اطاعتِ خداوندی کے پابند ہوتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ اللہ رب العزت ان بندوں کا امتحان لیتے ہیں اور انھیں ہی آزمائش میں ڈالتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر ایسے لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے، کہ اگر تم اللہ کی محبت میں سچے ہو تو جب مصیبت پڑے صبر کرو اور نماز سے مدلو۔ پریشانیاں آئیں تو حوصلے سے انھیں برداشت کرو۔ یہ مصیبتیں اور پریشانیاں ہمیشہ نہیں رہتیں۔ ایک وقت آتا ہے جب اللہ رب العزت اپنے پسندیدہ بندوں کو ایسے امتحانوں اور آزمائشوں سے بڑی کر دیتے ہیں، اور نہ بھی کریں تو ان کا مقام اللہ کی نظر میں بہت بلند ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کا اجر و انعام انسانی تصور سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

ہم سب نے سن یا پڑھ رکھا ہے کہ دُنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں انسانوں کو اللہ کریم نے اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنے بندوں کا امتحان لے اور ان کی آزمائش کے ذریعے یہ دیکھے کہ کتنے بندے ہیں، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں سچے ہیں۔ بلاشبہ کم ہی لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر مصیبت پڑے تو وہ صبر اور نماز سے مدد لے کر ایسے امتحان میں خود کو سرخرو کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شعوری طور پر اس امتحان و آزمائش کو نہیں سمجھ پائے۔ وہ اسے اپنی کم بختی اور

حراماں نصیبی گردانتے ہیں، اور جب خدا سے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو شکوے شکایت کا دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مشکل سے ایک فی صد لوگ ہی ایسے ہوں گے، جو دُعا میں یہ کہتے ہوں کہ ”اے پاک پروردگار! میں جس مصیبت میں گرفتار کیا گیا ہوں، اس امتحان و آزمائش میں تُو مجھے صبر کی نعمت عطا کر اور مجھے اس امتحان میں سرخرو کر۔ بے شک میں کمزور و ناتواں ہوں اور اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ اگر تُو مجھے توفیق نہ دے تو میں خود سے اس امتحان میں پامردی کا مظاہرہ کر سکوں۔ تُو میری مجبوری کو جانتا ہے۔ اگر تُو نے مجھے ایک آزمائش میں ڈالا ہے، تو اس آزمائش میں مجھے صبر اور ہمت دے اور مجھے وہ نماز عطا کر جس سے طاقت و توانائی کشید کر کے اس امتحان و آزمائش میں، میں خود کو سرخرو کر سکوں“۔ ایسی دُعا وہی بندہ مانگ سکتا ہے، جو دُنیا کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور اس دُنیا میں آنے والے مصائب کی حقیقت کو بھی جانتا ہو۔ قرآن پاک میں اور احادیث مبارکہ میں اس حقیقت کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نہ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کے عادی ہیں اور نہ احادیث مبارکہ سے حقیقی معنوں میں مستفید ہونے کی توفیق رکھتے ہیں۔

کسی بھی مصیبت، بیماری یا پریشانی سے نمٹنے کا ایک سادہ سا طریقہ تو یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت ہم پر پڑے تو ہم گرد و پیش پہ نظر دوڑا کر یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ کیا یہ مصیبت ایسی ہے جس سے صرف میرا ہی واسطہ پڑا ہے یا میرے علاوہ دوسرے بھی ایسے ہی مصائب میں گرفتار ہیں؟ جب ہم دوسروں کے حالات و واقعات پر نظر دوڑائیں گے، تو پتہ چلے گا کہ مصیبت تنہا مجھ ہی پر نہیں ٹوٹی، ہر دوسرا فرد ایسی ہی کسی نہ کسی پریشانی میں گرفتار ہے۔ اور بعض تو ایسے ہیں جن کی مصیبت کے سامنے میری اپنی مصیبت ہیچ ہے، اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس موازنے سے ہماری نفسیاتی تسلی ہو جائے گی اور یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں اور نماز و تلاوت ہی وہ طریقے ہیں، جن کے اختیار کرنے سے ہمیں صبر و سکون کی نعمت مل سکتی ہے۔

اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو جھیلنے ہوئے ہمیں ضرور اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ دُنیا کی ہر مصیبت و پریشانی وقت و عارضی ہے۔ اور یہ مصیبت و پریشانی اس لیے لاحق ہوئی ہے کہ خداوند تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ جس بندے کو اس نے امتحان میں ڈالا ہے، اس کا رد عمل کیسا ہے؟ کیا وہ ہر حال میں خدا کا شکر گزار ہے یا شکر گزاری کے بجائے شکوہ و شکایات اور

داد و فریاد ہی میں مگن اور گلہ مند ہے۔ قرآن پاک کی سورہ ملک پڑھتے ہیں تو اس میں بہت وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندہ دُنیا میں کیسے اعمال کر کے واپس اپنے رب کے پاس آتا ہے؟ انسان دُنیا میں بہت مختصر وقت کے لیے آیا ہے۔ پچاس ساٹھ برس تو پلک جھپکنے گزر جاتے ہیں۔ انسان زیادہ سے زیادہ ۷۰، ۷۵ یا ۸۰ برس تک زندہ رہتا ہے۔ اتنے مختصر سے وقت کے مقابلے میں آخرت کی زندگی بےشکی کے لیے ہے۔ یہ بےشکی کی زندگی جس میں ایمان اور نیک اعمال کی جزا جنت ہے، جہاں انسان کو ہمیشہ کے لیے رہنا ہے اور یہ زندگی عیش و طرب کی زندگی ہوگی، تو اگر اس بےشکی کی خاطر دُنیا میں کچھ مصیبتیں انسان صبر و شکر کے ساتھ سہ لے، برداشت کر لے تو آخرت میں اس کا اجر و انعام وہ ہمیشہ کی جنت ہے، جس میں پہنچ کر دُنیا میں اٹھائی گئی ہر مصیبت و پریشانی کی تلافی ہو جائے گی، بلکہ انسان یہ سوچنے میں حق بجانب ہوگا کہ جنت کے عیش و طرب کے مقابلے میں دُنیا کی مصیبتیں تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔

ہم دُنیا کے مصائب کو اپنے لیے کیوں ایک پہاڑ سمجھتے ہیں اور کیوں ہمیں صبر نہیں آتا؟ اس کی وجہ یہ ہے: آخرت کی نعمتوں پر ہمارا یقین و اعتبار محکم نہیں ہے۔ جو تکلیف ہمیں دُنیا میں لاحق ہوتی ہے وہ حقیقی ہوتی ہے اور آخرت کی جنت محض ایک خوش خبری ہے، ایک اُمید افزا اطلاع ہے جو ہمارے وجود میں کوئی تحریک پیدا نہیں کرتی۔ موت یقینی حقیقت ہونے کے باوجود انسان موت کی حقیقت کو صدقِ دل کے ساتھ محسوس نہیں کرتا، تا وقتیکہ کوئی مہلک بیماری ہمیں دبوچ نہ لے یا کسی قریبی عزیز یا دوست کی موت ہمیں جھنجھوڑ کر نہ رکھ دے۔ ایسا ہونا فطری ہے۔ خدا نے اگر موت کے خوف کو ہمارے اندر راسخ کر دیا ہوتا، تو دُنیا کی رونقیں ماند پڑ جاتیں۔ زندگی کی گہما گہمی پر اوس پڑ جاتی اور انسان موت کے خوف میں ہمہ وقت مبتلا ہو کر زندگی کی لذتوں، مسرتوں اور تگ و دو سے کنارہ کش ہو جاتا۔ اس لیے خرد دار کر کے، یہ قدرت ہی کا انتظام ہے کہ آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ یہ پردہ اچانک اس وقت آنکھوں سے چند لمحوں کے لیے ہٹ جاتا ہے، جب ہمیں ناگہانی طور پر موت کے مشاہدے سے دوچار ہونا پڑ جائے۔ یہ کیفیت بھی عارضی اور لمحاتی ہوتی ہے۔ انسان بہت جلد اس کیفیت سے نکل کر نارمل ہو جاتا ہے، تاکہ وہ زندگی کی جدوجہد اور بھاگ دوڑ میں شریک ہو سکے۔ احادیث میں یہ جو اہل ایمان کو قبرستان میں جاتے رہنے کی ہدایت کی گئی ہے،

اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ زندگی کی رنگینیوں اور ہمہ ہی میں گم ہو کر موت کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔ گناہوں کی کثرت کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ انسان اپنے آخری انجام یعنی موت کو بھلا بیٹھتا ہے اور اس زندگی کو آخری اور حتمی سمجھ بیٹھتا ہے۔ بزرگوں کی صحبت اور علم سے رجوع کرنے کی اہمیت اسی لیے ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو فراموش نہ کر دے، دُنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ نہ سمجھ بیٹھے۔ جب تک انسان کے باطن میں خوفِ خدا اور جوابِ دہی کا احساس نہ ہوگا اسے گناہ سے روکنے کا محرک کوئی اور چیز نہیں ہوگی۔

معاشرے میں اگر حلال و حرام کی تمیز اٹھ جانے، بدعنوانیوں کی کثرت، ایک دوسرے کا حق مارنے، حسد، نفرت اور جھوٹ، جیسی برائیوں کا خفیف سا احساس بھی زندہ نہیں رہتا۔ یہ غفلت اور بے حسی اکثر اوقات مصائب کا سبب بن جاتی ہے اور اگر اس دُنیا میں پکڑ نہ ہو تو آخرت میں ضرور اس کی سزا مل کر رہے گی۔ یہ سمجھ کر گناہوں پر دلیر ہو جانا کہ روزِ محشر شفاعت ہو جائے گی اور ہم محض کلمہ گو ہونے کی وجہ سے داخلِ جنت کر دیے جائیں گے اور سارے گناہ بخش دیے جائیں گے، ایسی خوش گمانی خداوند تعالیٰ کو اور غضب دلانے والی ہوگی، کیوں کہ شفاعت بھی گناہگاروں کے گناہ کرنے کا کھلا لائسنس ہوگا۔ شفاعت اسی کی ہوگی، جس کی اجازت اللہ رب العزت دے گا۔ دُنیا میں ایک آدمی اللہ کے خوف سے بے پروا ہو کر بد معاملگی کرے اور یہ اُمید رکھے کہ اس کے گناہ آسانی سے بخش دیئے جائیں گے، اس سے بڑی نادانی اور کیا ہوگی؟

اس لیے ایک مسلمان کو دُنیا کی زندگی میں احتیاط برتتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے، اور خدا کے عدل و انصاف سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ گناہوں میں بے شک سب سے بڑا گناہ غفلت ہے بلکہ اکثر گناہوں کا منبع ہی غفلت ہے، جس سے ہر حال میں بچنا اور چوکنا رہنا چاہیے۔ اور استغفار کا ورد کرتے رہنا چاہیے اور نمازوں میں خداوند تعالیٰ سے نیکیوں کی توفیق اور گناہوں سے پرہیز کی دُعا مانگتے رہنا چاہیے۔ دل میں خدا کا اگر سچا خوف ہو، تو خود خدا بندے کی حفاظت کرتا ہے اور اسے ارتکابِ گناہ سے روک دیتا ہے۔ پس، اللہ کی یاد، اس کا خوف اور اس کی محبت ہی وہ نعمتیں ہیں، جو ہر مصیبت میں سہارا بنتی ہیں اور پریشانیوں میں ثابت قدم رکھتی ہیں۔